Mairaj
Vol 1, Issue 2
https://www.mairaj.pk info@mairaj.pk

ثروت فاطمہ
ایم۔فل اسکالر اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تانیثی شاعری میں جدید عورت کا تصور

Sarwat Fatima
M.Phil Scholar Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Concept of Modern Woman in Feminist Poetry

This article discusses the role of women in modern Urdu poetry, what has been done in poetry writing and what has been done in different periods, as well as the sexual aspects of women in relation to the beloved. presented where there were no social walls between women and men, if Mir Aji's attitude of sexual freedom is found, but despite this, there are other aspects of women, namely mother and sister, in Faiz Ahmed Faiz. Mahbub is also seen as a unique entity, instead of presenting an imaginary image, they present a real woman. This is the reason why they mock love

اردو ادب میں عورت کے بارے میں یہ رویہ بالکل نیا تھا، اختر نے متوسط طبقے کو دوشیزہ کو اپنی ہیروئن قرار دیا، حفیظ جالندھری کے گیتوں اور نغموں میں بھی محبت کا ارضی پہلو اور محبوب کا جسمانی وجود نگار کا مرکز بنتا ہے، فراق گورکھپوری کے ہاں تصور محبوب یا عورت کا تصور بالکل بدلی ہوئی شکل میں نظر آتا ہے اس میں عورت گھر کی لکشمی اور جیون ساتھی کے تصورات کے ساتھ اردو شاعری میں داخل ہوتی ہے، ساتھ ہی دونوں میں وصل کی حالت ہیں ہجر وفراق کی کیفیت بھی قائم رہتی ہے، دراصل فراق کا عشقیہ تجربہ نئی زندگی کی بدلتی ہوئی اقدار کا تجربہ تھا، جہاں عورت اور مرد کے درمیان معاشرتی دیوار حائل نہیں تھیں۔ بلکہ خواب دونوں کے ہاں جدا جدا تھے۔

میراجی کے ہاں اگر جنسی آزادروی کا رویہ ملتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں عورت کے دوسرے دو روپ یعنی ماں اور بہن بھی موجود ہیں، وہ ایک ماہر کی طرح اپنے ذاتی عشق کی کشاکش سے نکل کر ایک اجتماعی نقطہ نظر کیطرف بھی بڑھتے ہیں، اس بنیاد پر ان کی شاعری ذاتی عشق کا مرثیہ بننے کے بجائے عشق کے سوز گداز ہجر کی سک اور میٹھے میٹھے درد کی لے میں ڈھل جاتی ہے، میراجی نے اپنی شاعری میں ہندوستانی عورت کو پیش کیا ہے، فیض احمد فیض کے ہاں بھی محبوب ایک منفرد ہستی کے روپ میں نظر آتا ہے، وہ ایک خیالی تصویر پیش کرنے کے بجائے ایک سچ مچ کی عورت کو پیش کرتے ہیں ن، م، راشد کے ہاں بھی عورت کا پیکر اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ افلاطونی عشق پر طنز کرتے ہیں ""حسن کوزہ گیر"" میں جہاں زاد کی صورت پہلی بار راشد کی شاعری میں ایک ایسی عورت سامنے آتی ہے جس سے عاشق کے لیے ایک نئی روحانی سرشاری ایک اعلی انسانی رشتے کی استواری اور ایک نئی تخلیق کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔

اردو شاعری عورت کے سراپا کی وجہ سے رنگین ہے، اگر عورت نہ ہو تو شاعری پھیکی پھیکی اور بے رنگ نظر آئے، عورت اور مرد کے بنیادی تعلق

ات کو شاعری کے ذریعے ایسے فنکارانہ انداز میں پیش کرنا کہ یہ بے حیائی کے زمرے میں نہ آئے، شاعر کا ایک بہت ہی اہم اور لاجواب کمال ہے، عورت کے نازواداکو شاعری میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، عورت معشوقہ کے روپ میں زیادہ خوبصورت اور جاندار حیثیت رکھتی ہے۔

کلاسیکی شاعرات کے ہاں عورت کا تصور:

خواتین کے جذبات اور احساسات مردوں کے مقابلے میں زیادہ دلکش اور خوبصورت ہوتے ہیں، اگرانکو ماحول اور موقع فراہم کیا جائے ایک صدی سے کم عرصہ پیش تر یہ بحث زوروں پر تھی کہ لڑکیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، جو حضرات مردوں کو تعلیم کے بہت حامی سمجھے جاتے ہیں وہ بھی عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز کے زیادہ قائل نہ تھے بہت سے تو ایسے ناجائز اور حرام خیال کرتے تھے پھر جو لوگ لڑکیوں کی تعلیم کے حق میں تھے وہ بھی شعر و ادب کی تعلیم کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے لڑکیوں کا شعر گوئی کا شغل اور اس سے آگے بڑھ کر اخباروں، رسالوں وغیرہ میں ان کے کلام اشاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اسی لیے سبھی تذکروں میں شاعرات کے اکثر سنے سنائے اشعار نقل کیے گئے، نتیجتاً اردو شعرائے کے پچاسوں تذکرے شائع ہوئے لیکن شاعرات کے تذکروں کی روایت کا سراغ سو سوا سو سال سے پہلے نہیں ملتا، وہ بھی دو چار سے زیادہ نہیں ہیں، یہ حالات خواتین میں شعر گوئی کا ذوق پیدا کرنے اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو نشو و نما کے لیے قطعاً موزوں نہیں تھے اور اگر شاعرات نے شاعری کے میدان میں خاطر خواہ اضافہ نہیں کیا تو یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے، مرد شعرا تو اپنا کلام چھپوانے کے ساتھ ساتھ مشاعروں میں شرکت کے ذریعے سامعین سے رابطہ قائم کر لیتے تھے، اور ان کے شعر گوئی کے ذوق کو داد بھی ملتی تھی، لیکن خواتین کی شاعری نہ اشاعت پذیر ہوتی تھی، اور نہ ہی انہیں مشاعروں میں شرکت کے مواقع ملتے تھے، لہذا خارجی محرکات کی عدم موجودگی کے باعث بھی تذکروں میں تقریباً تین سو شاعرات کے ذکر کا ملنا خوش آئند بات ہے، البتہ ان شاعرات کے صحیح حالات و کوائف کا ملنا دشوار ہے، تذکرہ نسواں ہند میں فارسی، اردو کی دو سو چھیاسی شاعرات کا ذکر ملتا ہے لیکن کوائف اور شاعری کے نمونوں کی کم دستیابی یا عدم دستیابی کا یہ حال ہے کہ کچھ کو صاحب دیوان شاعر کہا گیا ہے ان کے مجموعے ہائے کلام بھی دیے گئے ہیں لیکن نمونوں کا ایک بھی شعر دستیاب نہیں ہو سکا، جس طرح عورتوں کی تعلیم کی طرف سے بے اعتنائی برتی گئی، اسی طرح ان کے علمی و ادبی کارناموں کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں عدم توجہی کا ثبوت دیا گیا۔

سب سے پہلے شاعرات کا ذکر غلام ہمدانی مصحفی نے "تذکرہ ہندی گویاں" کے آخری میں بطور ضمیمہ کیا ہے، یہ تذکرہ ۱۷۹۴ء میں مکمل ہوا۔(۸۸) یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پانچ شاعرات کا ذکر ہے، کریم الدین نے اپنا تذکرہ "گلدستہ نازنیناں" ۱۸۴۵ء میں طبع کرایا، اس تذکرے میں شعراء کے ساتھ کئی شاعرات کا ذکر آخر میں یکجا شامل کر دیا ہے۔(۸۹) درگاہ پرشاد نادر کا تذکرہ شاعرات "چمن انداز" بہارستان ناز" کی دو اشاعتوں ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۹ء میں منظر عام پر آیا لہذا اردو شاعرات کا اولین تذکرہ نگار فصیح الدین رنج ہی قرار پاتے ہیں، یہاں شاعرات کا ذکر بلحاظ حروف یہی کیا گیا ہے، "بہارستان ناز" کی دوسری اشاعت ۱۸۶۹ء میں شاعرات کی تعداد میں صرف ستر تھی، لیکن نظرثانی اور اضافوں کے بعد ۱۸۸۲ء میں جب یہ تیسری بار شائع ہوا تو شاعرات کی تعداد 174 ہوگئی، ان میں سے 46 شاعرات کے منتخبات ہیں صرف فارسی اشعار دیئے گئے ہیں، تین شاعرات کے اردو فارسی دونوں زبانوں کے اشعار ملتے ہیں، باقی 125 شاعرات کے سلسلے میں صرف اردو کلام دیا گیا ہے۔(۹۰) ان شاعرات کے ذریعے تانیثی شاعری کی تاریخ کا ایک مخفی پہلو سامنے آگیا ورنہ بہت ممکن تھا کہ آج ان شاعرات کے نام سے لوگ واقف نہ ہوتے، "تذکرہ الخواتین" مولفہ عبدالباری آسی مطبوعہ ۱۹۲۷ء تذکرہ نسواں ہند، مرتبہ فصیح الدین بلخی مطبوعہ ۱۹۵۶ء خاص اہمیت کے حامل ہیں، نعت گو مشاعرات کا ایک تذکرہ بھی منظر عام پر آچکا ہے، تذکرہ نعت گو شاعرات کے مولف ڈاکٹر ابو سلمان شاجہان پوری ہیں یہ نعت گو شاعرات کا پہلا تذکرہ ہے جو کراچی سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ خواتین کی شاعری مردوں کے مقابلے میں زیادہ کشش اور دلگداز ہوتی ہے ان کی زبان زیادہ شستہ، تصنع سے پاک اور خارجی اثرات سے محفوظ ہوتی ہے، اسی لیے ان کے ہاں تشبیہات و ستعارات کی بھرمار نہیں ہوتی، پاکیزگی کا عنصر بھی مرد شعراء کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، انکا کلام یاوہ گوئی اور طنز و تعریض سے بھی پاک ہوتا ہے، خیالات کو بڑی خوبصورتی، سادگی اور صفائی سے بیان کرنے کی صلاحیت ان میں کمال کی پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں شاعری میں مختلف تجربات کرنے سے گریز کا رجحان ملتا ہے، غزل کی روایت کا پاس رکھتے ہوئے تقریباً سبھی شاعرات نے اپنے لیے

مرکز افعال استعمال کیے ہیں اور اپنے عورت ہونے کو ظاہر نہیں ہونے دیا تاہم خیالات و موضوعات کی سطح پر وہ اپنے آپکو پس پردہ نہیں رکھ سکیں یہ دراصل انکا وہ نسائی لہجہ ہے جس سے شاعری میں انکی ایک علیحدہ سے شناخت بنتی ہے، لیکن دیگر شاعرات نے اپنے لیے مونث افعال بھی استعمال کیے ہیں، البتہ یہ رجحان زیادہ تر نعتوں اور نظموں میں دکھائی دیتا ہے۔

شاعری میں مونث فعال کا استعمال سے لفظوں میں زیادہ عاجزی اور درد پایا جاتا ہے اور اس سے مظلومیت کے عکس بھی دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ مرد شاعروں نے بھی کئی بلکہ ہزاروں غزل، گیت، نظم قطعہ، نعت میں افعال مونث استعمال کیا ہے، اسکے باوجود بھی عورت کو شاعری سے اتنا دور رکھا گیا ہے، صدیوں کی تاریخ میں بھی اس کا تصور نہیں ملتا۔

شاعری میں مونث صیغہ کے استعمال سے لفظوں میں زیادہ عاجزی اور درد پایا جاتا ہے اس سے مظلومیت کے عکس بھی دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ مرد شاعروں نے بھی کئی بلکہ ہزاروں غزل، گیت، نظم قطعہ، نعت میں افعال مونث استعمال کیا ہے، اسکے باوجود بھی عورت کو شاعری سے اتنا دور رکھا گیا ہے، صدیوں کی تاریخ میں بھی اس کا تصور نہیں ملتا امتیاز: لطف النساء نام امتیاز تخلص اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہیں، عام طور پر مہ لقا چندا کو پہلی صاحب دیوان شاعرہ تسلیم کیا جاتا ہے، چندا کی شاعری کا دیوان ۱۲۱۳ھ بمطابق ۱۷۹۸ء میں مرتب ہوا۔ اس کے مرتب شفقت رضوی ہیں، اگرچہ انہوں نے کئی تذکروں کے حوالے سے چندا کو پہلی صاحب دیوان شاعرہ قرار دیا ہے تاہم نصیر الدین ہاشمی کی اس بات کو رد نہیں کیا کہ پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز قرار دی جانی چاہیے، کیونکہ ان کا دیوان ۱۲۱۲ھ بمطابق ۱۷۹۷ء یعنی چندا کے دیوان سے ایک سال قبل مرتب ہوا۔ (۹۱)

شفقت رضوی نے مزید لکھا ہے کہ باوجود اس محققانہ انکشاف کے چندا کی عظمت اور اس کے کلام کی قدامت پر حرف نہیں آتا، جو شہرت اس کے حصے میں آئی وہ عطیہ الہی ہے یقیناً شہرت و مقبولیت چندا کے حصے میں آئی لیکن بہر حال حقائق کی بنیاد پر لطف النساء امتیاز ہی اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہے، البتہ تخلص کی بناء پر اسے پہلے مرد سمجھا جاتا رہا لیکن بعد میں اس کی مثنوی " گلشن شعرائ" کی دستیابی سے علم ہوا کہ امتیاز عورت ہے، ڈاکٹر سلیم اختر نے نصیر الدین ہاشمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ مثنوی چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، مثنوی میں اس کے اپنے بیان کے مطابق 36 برس کے سن میں دیوان مرتب ہوا، امتیاز کی پیدائش ۱۱۷۶ء میں ہوئی، شوہر کے انتقال کے وقت لطف النساء نوجوان تھی، دیوان کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی نے یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں، 156 صفحات پر مشتمل دیوان میں 95 صفحات پر غزلیں ہیں انکے علاوہ پندرہ باعیاں اور پانچ قطعے بھی ہیں، مزید برآن مسدس، فردیات اور قصائد وغیرہ بھی ہیں، غزل کی زبان صاف اور مضامین روایتی ہیں، جب کہ مردانہ لب ولہجہ میں کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلے اسے مرد سمجھا گیا اسکا یہ شعر مثال کے طور پر پیش ہے:

منہ پر جب زلف کج خم دار جھکا
صبح روشن پر گویا ابر گہر بار جھکا

پروین: بڑی بیگم لقب، ام مشتاق کنیت اور پروین تخلص تھا، اصل نام معلوم نہیں ہو سکا، میر قربان علی رئیس آگرہ کی اہلیہ تھیں، ۱۱ دسمبر ۱۸۶۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئیں، انکے والد سید محمد غضنفر علی خان تھے، آپ کا دیوان " سراج الفیض " جے پور سے ان کے صاحبزادے سید مشتاق حسین مشتاق نے ۱۹۱۵ء میں شائع کرا دیا تھا، ابتداء میں انہوں نے اپنی والدہ کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، اس وقت تک یہ حیات تھی، آپ عربی، فارسی کے علاوہ فن طب اور علم قیافہ میں بھی درک رکھتی تھیں، نعتیہ کلام بھی خاصی تعداد میں شامل دیوان ہے ان کے کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

نام پر حضرت کے کہتا ہے خدا صلی علیٰ
مرحبا صلی علیٰ اے مرحبا صلی علیٰ
ایک دم میرا پروین اور لاکھوں مشغلے
پڑھ نہیں سکتی میں حسب مدعا صلی علیٰ

چندا: چندا قدیم شاعرات میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل شاعرہ ہے، اگرچہ وہ پہلی دیوان شاعر نہیں ہے کیونکہ اس کا دیوان لطف النساء کے دیوان کے ایک سال بعد یعنی ۱۲۱۳ھ بمطابق ۱۷۸ء یں مرتب ہوا، لیکن اپنی شہرت اور مقبولیت کی بناء پر اسے پہلے صاحب دیوان شاعرہ سمجھا جاتا رہا ہے،

مجلس ترقی ادب نے اس کا دیوان ۱۹۹۰ء میں شائع کیا، جس کی ابتداءیں شفقت رضوی کا تحریر کردہ ایک طویل تحقیقی و تنقیدی دیباچہ موجود ہے، چندا دکن میں پیدا ہوئی، اس کا نام چندا بائی یا چندا بی بی تھا، خطاب ماہ لقا اور تخلص چندا، اس کے والد کا نام بہادر خاں تھا جو بسالت خاں کے موروثی خطاب سے سرفراز تھا، چندا بی بی نے اپنی بڑی بہن مہتاب بی بی کی آغوش محبت میں نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی، چنانچہ چندا نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا، موسیقی اور رقص اس کے مشغلے تھے، پسندیدہ موضوعات تاریخ اور شاعری تھے، چندا ایک غیر معمولی عورت تھی، تربیت جس انداز سے ہوئی اس وجہ سے اسمیں ایسے اوصاف حمیدہ پیدا ہوگئے تھے جو شاہوں کے لیے باعث رغبت ہوتے ہیں، وہ طبعاً خوش مزاج، بذلہ سنج، لطیفہ گو، شوخی پسند حاضر جواب اور فقرہ باز تھی، ان خصوصیات کے ذریعے چندا بائی، نواب میر نظام علی خاں، آصف جاہ ثانی کو خوش رکھتی تھی، وہ نواب کا ایک بزرگ کی حیثیت سے بہت احترام کرتی تھی، نواب آصف نے چندا کی خوش مزاجی اور موسیقی میں مہارت کے علاوہ علم مجلس یں یکتا ہونیکی وجہ سے اس کی بہت قدر کی اور ہمیشہ لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے رہے، نواب نے اس کو ماہ لقا بائی کا خطاب عطا کیا، چندا کے معاملے میں دست قدرت نے انتہائی فیض کا ثبوت دیا تھا وہ پاکیزہ ذوق کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری اور خوش آوازی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی وہ زندگی بھر سونے چاندی میں کھیلتی رہی، داد و دہش کے باوجود، جب اس کا انتقال ہوا تو جاگیر، باغات اور عمارت کے علاوہ صرف نقد و جنس کی قسم میں ایک کروڑ سے زائد سرمایہ تھا، اس کی اپنی ایک سرکار تھی، اسے تعمیرات کا بھی شوق تھا، اس نے عاشور خانہ تعمیر کروایا تھا، اپنے زمانہ حیات میں اس نے اپنے لیے ایک عالی شان مقبرہ مع مسجد و دیگر عمارات تعمیر کروایا، عقیدے کے لحاظ سے اس کا رجحان اہل تشیع کی طرف تھا، حضرت علی علیہ السلام اور پنج تن پاک سے عقیدے کا اظہار اس کی غزلوں میں بھی ہوا ہے اس کی زیادہ تر غزلیں ایسی ہیں جن کے مقطع میں حضرت علی کا ذکر ضرور ہے

ناز چندا کو نہ ہو کیوں نوجوانی پر فلک
جس کو ہر قدم ہے بھروسہ مرتضیٰ سے پیر کا
نہیں جز مدح مولا کے سنا کوئی سخن لب سے
دل چندا الٰہی مخزن اسرار ہے کس کا
نہ چندا کو طمع جنت کی نے خوف جہنم ہے
رہے ہے دو جہاں میں حیدر کرار سے مطلب

ماہ لقاء چندا نے شادی نہیں کی، اس کا سال وفات ۱۲۴۵ھ ہے، اس نے اپنی زندگی یں مقبرہ تعمیر کروالیا تھا، وہ وہیں آسودہ خواب ابدی ہے، یوں تو اردو یں سینکڑوں شاعرات گزری ہیں، لیکن بہت کم کے ہاں انکی نسوانیت کا اظہار ہوا ہے، زیادہ تر شاعرات نے مردانہ لب ولہجہ میں اپنے جذبات پیش کیے ہیں، گویا وہ اپنی صنف کی نمائندہ نہیں بن پائی ہیں، چندا کے ہاں نسوانی جذبات کی پیشکش ہے، اگر روایت کے مطابق وہ اپنے لیے مذکر افعال بھی استعمال کرتی ہے تاہم اس نے مقطعوں میں اپنے لیے مونث افعال استعمال کیے ہیں:

توقع ہے یہی چندا کو ہر دم دین و دنیا میں
نہیں بھولے گی یا مولا تجھے امداد سے ہرگز
مثل بلبل جو اسے دیکھے غزل خواں کیوں نہ ہو
یا علی چندا تیرے گلشن سے پاتی ہے بہار

زبان و بیان کے حوالے سے اور لہجے کے اعتبار سے اس کے ہاں کہیں کہیں طربیہ انداز کس قدر شوخ بھی ہے، جس میں بے باکی کی حدود سے تجاوز کر جانے کا رویہ بھی ملتا ہے:

تم منہ لگا کر غیروں کو مغرور مت کرو
لگ چلنا ایسے ویسوں سے دستور مت کرو

چندا کے بیان میں بے تکلفی اور بے ساختگی کی شان ہے جسکی وجہ سے مضمون کے خیالی ہونے کا احساس نہیں ہوتا، لہجے کا تیکھا پن بیان کو گفتگو کا انداز عطا کرتا ہے، اور بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے:

گو مرے دل کو چرایا نہیں تو نے ظالم

کھول دے بند ہتھیلی کو، بتا ہاتھوں کو

روز مرہ اور محاورے کے استعمال کے سلسلے میں بھی چندا ان کو ترجیح دیتی ہے، جو عورتوں میں عام ہیں، ویسے زبان دانی میں درجہ کمال پر فائز ہونے کی وجہ سے اسے ہر قسم کے محاورے پر عبور حاصل ہے، خاص اسکے مزاج کی زبان اس شعر میں دیکھئے:

آلا بالا نہ بتا ملنے میں سر بات کے بیچ

وعدے کا کب ہے تحمل دل بے تاب کے بیچ

چندا کے ہاں زبان کی صفائی کی تکمیل اس درجے پر فائز دکھائی دیتی ہے، کہ جہاں آج کا عام قاری بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا، چندا ایک بہت اچھی شاعرہ تھی اس نے زندہ رہنے والی زبان میں شاعری کی۔

حجاب: حجاب تخلص فخر النساء بیگم نام، شاہجہاں پور کی رہنے والی تھی، یہ شاعرہ قنات وغیرہ کی آڑ میں پڑھتی تھی، اچھے شعر کہتی تھی انکی ایک غزل ۱۸۹۳ء گلدستہ "پیام یار" میں شائع ہوئی، گلدستہ "بہار بے خزاں" مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں بھی انکی غزل شائع ہوئی، "تذکرہ الخواتین کے مطابق ۱۹۳۵ء میں ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی، ان کا غالباً ایک دیوان جمع ہو گیا تھا ان کے دیوان کا شعر نمونے کے طور پر حاضر ہے:

سامنے جائوں یہ بات ان کو گوارا ہی نہیں

دو بدو ہونے کا موقع مجھے ملتا ہی نہیں

سلطان: سلطان تخلص اور سلطانی بیگم نام تھا، لکھنو کے نواب معتمد الدولہ بہادر کی دختر تھی، شاعری اور ذہانت میں مشہور تھیں، انکا دیوان بھی مرتب تھا، تذکروں میں انکی صرف ایک غزل ملتی ہے، جس میں سے ایک شعر درج ذیل ہے:

کب تک یہ تیرے ہجر کے صدمے اٹھائے دل

ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل

شرم: شمس النساء بیگم نام اور شرم تخلص تھا، حکیم قمر الدین کی صاحبزادی تھیں، شرم کا مولد بنارس تھا، چونکہ اب ان کے والد لکھنو میں سکونت رکھتے اور یہ بھی اب لکھنو میں ہی رہتی تھیں، صاحب عصمت وحیات اور نہایت عقل مند اور ذہین خاتون تھیں، انکے کلام میں صنعت ابہام بھی پائی جاتی ہیں جن سے ان کی قادر الکلامی ظاہر ہے وہ مشاعروں میں شرکت نہیں کرتی تھیں، "عروس مضمون" کے نام سے ان کا دیوان ۱۸۹۰ء میں لکھنو سے شائع ہوا، یہ دیوان 86 صفحوں کا ہے، اس دیوان کے آخر میں ایک قصیدہ بھی ہے، اس دیوان کی تعریظ قمر النساء بیگم حجاب نے لکھی، شرم، نعت گوئی سے بھی دلچسپی رکھتی تھیں، حجاب نے انکی نعت گوئی کی بھی تعریف کی ہے ان کی غزلوں کے اشعار اور نعت کا نمونہ درج ذیل ہے:

ادا ہوا نہیں کچھ حق جو تھا عبادت کا

فقط ہمیں تو وسیلہ ہے تیری رحمت کا

دل میں رکھ یاد تو اے شرم علی کی ہر دم

کام آئیں گے وہی تیرے مہمات کے وقت

حجاب: شاہ غازی الدین حید کے وزیر نواب معتمد الدولہ بہادر کی پوتی اور داروغہ اعظم علی خاں کی بیٹی، جسکا نام نواب بیگم عرضیت چھوٹی بیگم اور تخلص حجاب تھا، نہایت خلیق اور شریف تھیں، بقول نیاز فتح پوری کہ نواب بیگم حجاب کا دیوان جس میں ایک سو پانچ غزلیں ہیں ۱۲۹۰ء میں مطبع حسینی اثناء عشری لکھنو میں طبع ہوا، یہ دیوان ۱۲۸۹ھ میں مرتب ہوا حجاب کی تاریخ ولادت ۱۲۵۹ھ ہے لہذا طبع دیوان کے وقت حجاب کی عمر تیس سال کی ہو گی، حجاب کے دیوان میں ایک مخمس واجد علی شاہ کی بیوی عالم کی غزل پر بھی پایا جاتا ہے حجاب کا دیوان اب ناپید ہے (۹۳)

حجاب کا رنگ شاعری تقریباً وہی ہے جو اس زمانے ہیں ہر جگہ نظر آتا ہے لیکن بعض اشعار خوب ہیں، اگر چہ حجاب اپنے لیے مذکر افعال استعمال کرتی ہے لیکن اس کے باوجود کا کلام نسائی ولہجہ اور جذبات سے معمور ہے مثلاً نمونے کے طور پر یہ شعر پیش خدمت ہے:

نہ رحم آئے جو تم کو میری قسمت ہے

تم اپنے دل سے مری التجا سنو تو سہی

حجاب کے ہاں بہت سے اشعار لکھنوی رنگ سے ہٹے ہوئے بھی ملتے ہیں، جو اپنی جگہ خوب ہیں:

آگ سے بھی ہے زیادہ بے قراری ان دنوں

شکل پہچانی نہیں جاتی ہماری ان دنوں

شیریں: شیریں تخلص، نواب شاہجہاں بیگم نام، نواب جہانگیر محمد خان اور نواب سکندر بیگم کی دختر تھیں، وہ بھوپال کی معروف ذی علم ذی لیاقت والیہ ریاست تھیں، آپ نہایت بلند حوصلہ اور فن کی قدر دان تھیں، ۱۸۸۳ یا ۱۲۵۴ھ ہیں قلعہ اسلام نگر بھوپال میں پیدا ہوئیں ان کا شمار ہندوستان کی مشاہیر خواتین میں ہوتا ہے، شیریں کے علاوہ تاجوڑ بھی تخلص کرتی تھیں، برصغیر میں ایسی ذی لیاقت اور باصلاحیت عورتیں کم پیدا ہوتیں ہیں فارسی اور اردو میں ان کا بہت سا کلام ملتا ہے۔

ان کی تصانیف ہیں غزلوں کا دیوان ''دیوان شیریں'' کے نام سے ۱۲۸۸ھ ہیں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا، اس ہیں غزلوں کے علاوہ گیت ، قطعات اور نعتیہ کلام بھی موجود ہے، شیریں کا انتقال ۱۹۰۰ء ہیں ہوا، انکا کلام نہایت صاف ہے۔

خالق ہے خدائے سحر و شام ہمارا

مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا

صدر: صدر تخلص نواب صدر محل بیگم صاحبہ ان کا نام ہے، نواب واجد علی شاہ کی بیگم تھیں، یہ بڑی خوش خلق اور خوش مزاج تھیں، ان کا ایک دیوان بھی مرتب تھا، تاہم تذکروں میں ان کی صرف ایک غزل ملتی ہے:

حسرت و آرزوئے وصل، داد و مصیبت فراق

سب کا ہے لطف الگ الگ، سب کا مزا الگ الگ

عالم: نواب واجد علی شاہ اودھ کی زوجہ تھی، یہ شاعرہ صاحب دیوان تھی، اس نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے، ستار بجانے میں بھی مہارت رکھتی تھی:

گزاری رات ساری تارے ہی گن گن کے عالم نے

ہوا شب کو جو دھوکہ اپنے اختر کا ستاروں میں

عالم کے شوہر واجد علی شاہ، اختر تخلص کرتے تھے، یہاں اشارہ نہی کی طرف ہے، عالم کی مثنوی'' مثنوی عالم'' کے نام سے ہے اس میں حمد و منقبت کے بعد داستان کا آغاز اسطرح ہوتا ہے:

نشہ میں ساقی پری طلعت

شعر تر کہنے کی ہے کیفیت

نزہت: زاہدہ خاتون نام اور نزہت ان کا تخلص تھا، لیکن ان کی شہرت ز۔خ۔ش کے نام سے ہوئی ۸ دسمبر ۱۸۹۴ کو بھیکم پور ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئیں انکے والد نواب سر محمد مزمل خاں شروانی خاندان کے اکابر تھے، زاہدہ کی والدہ کا انتقال کم سنی میں ہو گیا تھا، ان کے والد نے ان کو اور انکی بڑی بہن اور بھائی کو بری شفقت سے پالا، اور گھریلو تعلیم بھی خاص اہتمام سے دلوائی، نواب صاحب تعلیم کے حامی اور علی گڑھ کالج کے مربیوں میں تھے، فارسی میں شعر کہتے تھے، بچیوں کو انہوں نے لائق مولویوں سے پردے ہی میں پڑھوایا، زاہدہ نے فارسی ایک ایرانی خاتون رخشندہ خانم سے پڑھی، زاہدہ اس زبان میں بے تکلف گفتگو اور خط وکتاب کرتی تھیں، عربی سے واقف تھی، شاعری کا مذاق فطری تھا، زاہدہ کے مضامین سخن گو خاتون، نادر خاتون اور ایک شریف بی بی کے فرضی ناموں سے شائع ہوتے تھے، جن کو دیکھ ابتداء میں بعض لوگوں کو دھوکہ ہوا کہ یہ مرد کا کلام ہے، اکبر آلہ آبادی کو بھی ایسا ہی گمان ہوا تھا، جو خواجہ بانو سے

تحقیق کرنے پر رفع ہوا، اگرچہ زاہدہ نے ذوق شعری ورثے میں پایا تھا، لیکن وہ اپنا کوئی شعر بھی والد کو سنانے یا بتانے کی جرات نہ کر سکی، نواب صاحب کسی اخبار یا رسالے میں ر، خ، ش کا نام دیکھتے تھے، لیکن اصل نام سے واقف نہ تھے بہت عرصے سے بعد انہیں اصل حقیقت معلوم ہوئی، زاہدہ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ابو نے سہوا یا قصدا راحیل خاتون آپا کا خط کھول کر دیکھ لیا، جس میں زاہدہ کی ایک نظم مطبوعہ ''زمیندار'' میں عید کی خوشی میں غمزدگان کانپور کی یاد کا ذکر تھا، والد نے ''زمیندار'' بھی دیکھ لیا تھا، زاہدہ بہت خائف تھیں، جب وائسرائے نے کانپور کے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا تو والد نے انہیں کہا کہ اب تمہارا دل خوش ہوا یا نہیں؟ اب تو گورنمنٹ کو گالیاں نہ دو گی۔ جب ترکی نے جنگ عظیم میں شرکت کی تو وہ اپنی بیٹی کی طرف سے بہت چونکے، جو جنگ طرابلس وبلقان وغیرہ کے لیے بہت کچھ لکھ چکی تھی، انہوں نے زاہدہ کو خط لکھا جس میں اسے فہمائش کی کہ وہ اس نازک موقع پر اپنے والد کی نازک پوزیشن کا خیال کرے، چنانچہ زاہدہ نے کچھ عرصہ کے لیے لکھنا موقوف کر دیا، زاہدہ جب مر رہی تھی تو بھی اس کی زبان قلم پر یہ دعا تھی کہ '' اے میرے مہربان مولا! میرے پیارے باپ کو مجھ سے متفق الرائے کر دے، یہ انتقال سے صرف دو ہفتے پہلے کی ڈائری ہے، زاہدہ خاتون نے چند ہی روز میں معیاری بخار میں مبتلا رہ کر ۲ فروری ۱۹۲۲ء کو وفات پائی، بیگم انیسہ ہارون شروانیہ ان کی قریبی عزیز تھیں۔

زاہدہ نے نثر اور شاعری میں بہت کچھ لکھا ہے ان کی ایک طویل نظم '' آئینہ حرم'' ۱۹۲۱ء میں دار الاشاعت لاہور سے شائع ہوئی، یہ انتالیس صفحات پر مشتمل ہے، انتقال کے بیس برس بعد ان کے مجموعہ کلام کے چھپنے کی نوبت آئی، حالانکہ وہ اسے '' فردوس تخیل'' کے نام سے مرتب کر گئی تھیں۔

یہ مجموعہ ۱۹۱۴ء میں دار الاشاعت لاہور سے شائع ہوا، یہ ۳۸۲ صفحات پر مشتمل ہے، انہوں نے اپنی غزلوں کا دیوان ''نزہت خیال'' کے نام سے خود مرتب کیا تھا، جو ناپید ہے۔

زاہدہ اپنی ایک نظم '' حقائق'' میں عورت کی اور خود اپنے دل کی فریاد یوں بیان کرتی ہے:

سراپا جرم ہوں، کس کس خطاب کا نام لوں آخر
مسلمان ہوں، صداقت کہتی ہوں، بندی ہوں، عورت ہوں
میری تکذیب پر کیوں طفل مکتب ہے، کمر بستہ
نہ گردوں ہوں نہ یزداں ہوں نہ مذہب ہوں نہ قسمت ہوں

زاہدہ ایک حد تک گمنامی کا شکار ہوئی، در اصل اس نے ماحول کے تقاضے کی وجہ سے اپنی شخصیت پر ایک حجاب ڈال رکھا تھا، چنانچہ یہ حجاب اس کے تعارف میں دیر تک حائل رہا، حالانکہ ز، خ کی نظمیں اس صدی کی دوسری دہائی میں بعض ادبی جرائد میں چھپتی رہی ہیں، لوگوں کو یہ باور کرانا مشکل تھا کہ کوئی گھریلو لڑکی ایسی شاعری بھی کر سکتی ہے، اس کی نظموں میں رومانی عنصر کم اور سیاسی عنصر زیادہ تھا وہ اکثر موضوعات پر قلم اٹھاتیں، جنہیں اس وقت کسی شاعرہ سے نسبت دینا لوگوں کے تخیل سے دور تھا، ان کی نظمیں سیاسی شعور اور وسعت علمی کی ایک ایسی شان تھی کہ ان کے بہت کنائے اور تلمیحات پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی محتاج تشریح تھے۔

زاہدہ کی شاعری کا ایک حقیقت پسندانہ رخ یہ ہے کہ وہ جب وطن، اصلاح معاشرت اور آزادی، نسواں کی طلب گار تھی، اس نے مردوں اور عورتوں کو بڑی دل سوزی سے مائل انقلاب کیا، خاص طور پر عورتوں کو اپنے حقوق کے حصول اور سیاسی شعور پیدا کرنے کی پر جوش کوشش کی، عورت کو بیداری میں زاہدہ کا حصہ ناقابل فراموش ہے، اس کا طویل مسدس، '' آئینہ حرم'' علامہ اقبال کے ''شکوہ'' کا ہم آہنگ ہے، یہ ۱۹۶۵ء میں لکھا گیا، جب شاعرہ کی عمر اکیس سال تھی، '' آئینہ حرم'' اور ''شکوہ'' کی ہیئت اور بحر ایک ہی ہے، جس میں معلوم ہوتا ہے کہ زاہدہ علامہ اقبال سے بہت متاثر تھیں:

میں نے مانا کہ خموشی ہے یہاں سے بہتر
لب خاموش لب شہد فشاں سے بہتر
صبر شیون سے شکیبائی فضاں سے بہتر
دل ہے اسرار کے رہنے کو زبان سے بہتر

درج ذیل نظم میں عورتوں کی زبوں حالی کا نقشہ بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے:

خود بھلے بنتے ہیں اوروں کو برا کہتے ہیں
ناقص العقل ہیں ہمیں یہ عقلا کہتے ہیں
پر دغا کہتے ہیں، بے مہر و وفا کہتے ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں

اس نظم میں مسلمانوں کے عہد عروج میں مسلمان عورتوں کے کارناموں کا ذکر یوں کیا ہے:

ہم تھے اس عہد ہمایوں میں نہ یوں مشق ستم
لے دل و روح اندھا دھند نہ کہلاتے تھے ہم
قفس خشت میں گھٹ گھٹ کے نکلتا تھا نہ دم
ہم نے کھائی تھی نہ یوں گھر سے نکلنے کی قسم

اختر: اختر تخلص، گورکھپور کی ایک پر گو شاعرہ تھیں، اپنا نام، م،ج بیگم بتایا کرتی تھیں، انکے حالات و کوائف معلوم نہیں ہو سکے، لیکن اس لحاظ سے ان کی ایک حیثیت بنتی ہے، کہ انہوں نے مونث کا صیغہ اسوقت استعمال کیا، جب شاعرات اپنے عورت ہونے کو پردہ اخفا میں رکھنا اپنے لیے بہتر خیال کرتی تھیں، ان کے کلام کی ایکاضافی خوبی یہ ہے کہ طویل بحر میں شاعرات کا کلام کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے، طویل بحر میں انکا یہ شعر درج ہے:

اڑھائی کیوں رنگ و بو کی چادر فریب ہستی نے آدمی کو
جب اس کی محدود ہو چکی حد تو خاک حاصل ہو زندگی کو

یوں تو تذکروں میں اردو شاعرات کی تعداد تقریباً سوا تین سو کے قریب ملتی ہے یہاں اسکا ذکر ممکن نہیں ہے جو شاعرات کلام کی دستیابی اور دوسری خوبیوں کی وجہ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہیں، یہاں انہی کا ذکر کیا گیا ہے، عورتوں کی زبان ہی سے مرد زبان سیکھتے آئے ہیں، زبان کے حوالے سے اولین درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شاعرات کے ہاں زبان و بیان کی صفائی و چستی نظر آتی ہے، نازک خیالی کی جھلکیاں اور نازک جذبوں کی صورت گری تمام شاعرات ہاں موجود ہے، یہ خصوصیات ان کے نسائی لب و لہجے کے ساتھ مل کر ایک امتیازی وصف حاصل کر لیتی ہیں اور ایک تخصیصی صورت حال سامنے آتی ہے۔ اکثر و بیشتر شاعرات کے ہاں آسان بحریں استعمال ہوتی ہیں اور انہوں نے طویل، بحروں میں شعر کہنے سے اجتناب کیا ہے، نئی زمینیں بھی نکالی ہیں اور پرانی زمینوں کو بھی آسان سے برتا ہے، انکے ہاں بہت معیاری اشعار نہ سہی تاہم اچھے اشعار کی کمی نہیں ہے، دراصل شاعرات جذبات کی نرم روی کی زیادہ قائل معلوم ہوتی ہیں، یہ ان کی فطرت کا خاصہ ہے، شاعرات نے تقریباً انہی موضوع پر اشعار کہے ہیں، گو زیادہ اشعار محبت کے نازک رشتوں اور جذبوں کے گرد گھومتے ہیں، پھر بھی ان کے ہاں تصوف و مذہب، زمانے کے حوادث کے اثرات، انتشار و بے یقینی کے موضوعات، حقائق کی بے رحمی، زندگی کی بے ثباتی، معاشرے کو آئینہ دکھانے والے اور اپنے اپنے عہد کے سماجی و تہذیبی بد نما داغوں کو ابھارنے اور طنز کا نشانہ بنانے والے اشعار مل جاتے ہیں، شاعرات کے ہاں سماجی شعور کی بھی کمی نہیں، ان سب موضوعات کے حوالے سے اشعار درج ذیل ہیں:

ہماری چشم نے ایسا کمال پایا ہے
جدھر کو دیکھئے آتا ہے تو نظر ہم کو

چندا

موجود ہے ہر آن جو نزدیک ہمارے
وہ وہم گمان سے بھی حقیقت میں پرے ہے

نازک

نہ کیوں حیرت ہو یا اب وہ زمانہ آگیا ناقص
حیا ڈھونڈے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

حیا

آنکھوں سے حق نے پردہ غفلت اٹھا دیا
خواب و خیال مری نظر میں نہیں ہے اب

جمیلہ

اگر نظام حیات کے حوالے سے غور کیا جائے تو عورت ماں، بہن، بیوی، محبوبہ، عاشق اور بحیثیت بیٹی اپنا کردار موثر طور ادا کرتی رہی ہے، یہ محض گوشت پوست کا مجسمہ نہیں، احساسات و جذبات کا پیکر ہے، نئے نظام حیات کو پروان چڑھانے میں کم خواندگی کے باوجود اسکے کردار و عمل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، معاشرے کے استحکام اور اس کی بقاء میں عورت اور شاعرات کا حصہ قابل فراموش نہیں ہے، شاعرات کی شاعری میں جو عورت سامنے آتی ہے، وہ مسلم ثقافت اور تہذیب کا ایک مثالی نمونہ ہے، اقبال نے عورت کے بارے میں بجا طور پر کہا ہے کہ

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹپکا شرار افلاطوں

تمام شاعرات کا کلام دیکھنے کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاعرات نے اپنے کردار و عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اردو شاعری کو الگ سے ایک لہجہ عطا کیا ہے، چھوٹی موٹی عورت اظہار جذبات کی آزادی کا اپنا سا مظاہرہ کرتی رہی، وہ اپنے نسائی جذبات کا اظہار بھی اپنی شاعری میں کرتی چلی آئی ہے، صنف نازک نے اپنی جذبات گری کو فنی اشاروں میں بہت خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے۔

جدید شاعرات کے ہاں عورت کا تصور:

۱۹۳۶ء کی ادبی تحریک نے جہاں مرد شعر کو متاثر کیا اور فکر و اسلوب کی نئی راہیں متعین کیں، وہیں خواتین کو بھی حیات و کائنات کے مسائل پر نئے زاویے سے سوچنے پر آمادہ کیا، چنانچہ پیرائے اظہار کی اس روش میں بھی تبدیلی آئی جو روایت کی اندھی پرستش سے عبارت تھی، زندگی کی رواں دواں حقیقتوں پر نگاہ ڈالنے سے خود بینی و جہاں بینی کا ایک اندازہ وجود میں آیا اور ادب و شعر کو وہ آگہی نصیب ہوئی جو اس سے پہلے نہ تھی۔

ادا جعفری: جدید ادب و شعر کے معماروں کی صف اول میں ادا بدایوانی کا نام اور کلام نمایاں ہے ان کے کلام میں قدیم اور فرسودہ نظام زندگی کے خلاف بغاوت کا ایک بے پناہ جذبہ کار فرما ہے، ان کی آواز سراپا طلب اور احتجاج ہے

حوالہ جات

٨١ ابوایلث صدیقی، ڈاکٹرہ لکھنو کا دبستان شاعری، اردو مرکز، لاہور، ١٩٦٧ء ص ٧٥

٨٢: ابول سلمان، شاہجہاں پوری، ڈاکٹر مولف، تذکرہ نعت گو شاعرات، مکتبہ شاہد، کراچی، ١٩٨٤ء ص ١٩

٨٣: افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: جواہر خالی" نذر سنز، لاہور، ١٩٧٥ء ص ٩٦

٨٤: انیس ناکی،" مشاہدات" جمالیات، لاہور، ١٩٩٣ء ص ٣٨

٨٥: انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ١٩٩١ء ص ١٣١

٨٦: انور سدید، ڈاکٹر، اردو کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ١٩٨٥ء ص ٨٦

٨٧: تاریخ ادبیاب مسلمانان پاکستان وہند، چھٹی جلد، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ١٩٧١، ص ١٢٠

٨٨: تاریخ ادبیاب مسلمانان پاکستان وہند، آٹھویں جلد، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ١٩٧١ء ص ١٣٢

٨٩: تبسم کاشمیری ڈاکٹر، مثنوی گلزار نسیم، ایک تنقیدی مطالعہ، مکتبہ عالیہ، لاہور، ١٩٧٨ء ص ١٧

٩٠: جمیل جالی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، ١٩٧٥ء ص ٢١٠

٩١: شان الحق حقی، نکتہ راز، عصری کتب خانہ، کراچی، ١٩٧٢ء ص ٤٩

٩٢: سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ١٩٨٠ء ص ٥٦

٩٣: ادا جعفری: ہیں ساز ڈھونڈتی رہی، غالب پبلشرز، لاہور ١٩٨٢ء ص ٦٧

٩٤: پروین فناسید: تمنا کا دوسرا قدم، ایس۔ٹی پرنٹرز، راولپنڈی، ١٩٩٣ء ص ٨٦

٩٥: پروین شاکر: خود کلامی، پرنٹ اسٹائل، اسلام آباد، ١٩٩١ء ص ٧٩

٩٦: عرفانہ عزیز: کف بہار مکتبہ افکار، کراچی، ١٩٨٥ء ص ٣٩